محمد نعیم

میرؔ کی اِصلاحیں

اُردو ادب میں تنقیدی سرمایہ کی تاریخ جب مرتب کی جاتی ہے تو اولین نمونے قدیم تذکروں کی شکل میں ملتے ہیں۔ ان قدیم تذکروں کی بہت اہمیت ہے نہ صرف تاریخی بلکہ اس وجہ سے بھی کہ شعوری یا لاشعوری طور پر مولف تذکرہ کے ذاتی پسند اور ناپسند، رجحانات اور ادبی معیار وغیرہ بھی سامنے آجاتے ہیں۔ غالب صرف شعر دل کے انتخاب میں معاملات دل کھول بیٹھے تھے مگر تذکرہ نگاری سے مولف تذکرہ بھی اپنے قدرتی رنگوں میں سامنے آجاتا ہے۔

قدیم تذکرے کوئی خالص تنقیدی کارنامہ نہ تھے۔ لوگوں کو ہمیشہ بیاضوں کا شوق ہوتا ہے۔ یہی بیاضیں کچھ تفصیلات کے اضافے کے ساتھ تذکرے بن گئیں۔ ان میں تنقیدی پہلو کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اس زمانے میں تنقید کا معیار بھی یا تو ذاتی پسند و ناپسند تھا یا فنی جزئیات اور عروض و قوافی کی تفصیلات۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ تمام تذکرہ نگار خود بھی شاعر تھے۔

میر تقی میرؔ کا تذکرہ "نکات الشعرا" دہلی کا قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۱۱۶۴ھ قرار دیا جاتا ہے۔ میرؔ کے تذکرے کے سنہ میں بھی دو تذکرے لکھے گئے اور اس کے بعد شمالی ہند میں تذکروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن ان سب تذکروں پر "نکات الشعرا" کو ایک فوقیت حاصل ہے وہ یہ کہ اس میں جابجا شعرا پر تنقید اور خود فن ریختہ گوئی پر مختصر تبصرہ ملتا ہے۔ (میرؔ کے جو خیالات ریختہ پر ہیں وہ ذرا سے تغیر زبان کے بعد گردیزی کے تذکرے میں بھی ملتے ہیں) یہ وہ دور تھا جب اُردو شاعری کی بنیادیں مستحکم کی جارہی تھیں اور ایک خاص اصلاحی لہر بھی پیدا ہو چکی تھی۔ میرؔ کی اُردو غزل میں جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر ان کے اس نظریہ شعر اور نقد کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اور چونکہ ہم کو اس کی عملی صورت تردید نہیں نظر آتی اس لئے ان خیالات کو ان کی اپج اور ایجاد ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ ان کا خود کہنا ہے کہ "اب تک ریختہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔"

جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے "نکات الشعرا" کا تنقیدی جز دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اول تو شاعروں کے

خالات اور تذکرے میں جا بجا میر صاحب کی ذاتی رائیں ملتی ہیں جنکو ہم اصلاحات میر کہہ سکتے ہیں۔ اور دوئم خاتمہ تذکرہ پر ریختہ کی اقسام کا ذکر۔

گو یہ ترتیب کے خلاف ہوگا لیکن ہم سب سے پہلے میر کے ان خیالات کا جائزہ لیتے ہیں جن کا اظہار انھوں نے اقسام ریختہ کے تحت کیا ہے۔ میر نے ریختہ کی چھ اقسام بتائی ہیں۔ اس میں سے چار میر کے پیشرو شعرا کا معمول تھیں اور ان کو میر نے متروک قرار دیا ہے۔ باقی دو جن کو اپنایا ہے ان کا انحصار بھی کسب و محنت سے زیادہ ذاتی سلیقہ پر رکھا ہے۔ متروکہ اقسام میں ایہام۔ فارسی فعل و حرف کا استعمال اور آدھا اور پورا فارسی مصرع استعمال کرنا ہے اسکے برخلاف میر نے انداز کا استعمال جس میں تمام صنائع شامل ہیں اور مانوس ترکیبات فارسی کا استعمال مستحسن قرار دیا ہے۔ "انداز" کے تحت انھوں نے تفصیلات بتائے بغیر صفائے گفتگو، فصاحت، بلاغت، خیال، ادابندی وغیرہ کے نام گنوائے ہیں اور ان کو سمجھنا صرف مخصوص لوگوں کا حصہ بتایا ہے۔ مانوس اور غیر مانوس ترکیبات فارسی کا انتخاب اور استعمال بھی سلیقہ شاعری پر منحصر قرار دیا ہے۔ ان تمام باتوں کے مطالعے سے ہمارے سامنے کوئی نپے تلے خیالات نہیں آتے لیکن اس اصلاحی تحریک کا ضرور پتہ چل جاتا ہے جو اس زمانے میں جاری تھی یعنی ایہام سے تنفر، قدیم بھونڈی اور غیر مانوس تراکیب سے پرہیز اور فصاحت، سادگی اور صفائی زبان پر زور۔

لیکن اس سے زیادہ دلچسپ میر کی وہ اصلاحیں ہیں جو انھوں نے چند شعرا کے اشعار میں کی ہیں۔ اس عنوان کے تحت میں نے "نکات الشعرا" سے تمام وہ اشعار اکٹھا کئے ہیں جن میں میر نے کوئی لفظ بدلا ہے یا مصرع دوسرا لگایا ہے یا اس پر کسی قسم کا جملہ چسپاں کیا ہے۔ ان سب پر مجموعی طور پر کچھ کہنا بہت مشکل ہے، اس لئے زیادہ مناسب ہوگا اگر ہم سلسلہ وار ہر اک کو پرکھتے چلیں اور جو بات جہاں پیدا ہو وہیں زیر بحث لائیں۔

چنانچہ ہم کو میر کی سب سے پہلی اصلاح شاہ آبرو کے شعر پر ملتی ہے ؎

"نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے "اس قدر" "کس قدر" می گفت، ایں شعر بآسماں می رسید"

بہت خوب۔ میر کی یہ اصلاح استادانہ ہے۔ ایک لفظ کے رد و بدل سے شعر میں جان پڑ گئی۔ اب یہ شعر یوں ہوگیا ؎

نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط
کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

شرف الدین خاں مضمون کا شعر ہے ؎

میرا پیغام وصل اے قاصد
کہیو سب سے اسے جدا کر کر

میر لکھتے ہیں— "اتفاقاً من اشعار ایشاں را انتخاب میزدم۔ میاں محمد حسین کلیم کہ احوال اوشاں نیز خواہد آمد انشاء اللہ تعالیٰ، اوشاں نیز نشستہ بودند۔ من ایں شعر با پیش مشار الیہ خواندم و شعر ایں قسم بود ؎

میرے پیغام کو تو اے قاصد
کہیو سب سے اسے جدا کر کر

چوں ایں حرف موافق سلیقہ شعرا بود لہذا ہمچناں نوشتہ آمد"۔

آخری جملے کو پڑھنے سے قارئین کو یہ احساس ضرور ہوا ہوگا کہ اس جملے میں کوئی کمی ہے۔ میرے خیال میں یہ جملہ اس طرح ہوگا ۔۔۔ "چوں ایں حرف موافق سلیقہ شعرا نہ بود لہذا ہمچناں نوشتہ آمد"، کاتب سے غلطی سے "نہ" چھوٹ گیا۔ میر کی یہ اصلاح بہت استادانہ ہے اور "وصل" اور "جدا" کے اتصال نے شعر میں نیا لطف پیدا کر دیا۔

3 تیسری اصلاح مصطفیٰ خاں یکرنگ کے شعر پر ہے ؎

سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہیگی دار کی صورت

میر لکھتے ہیں ۔۔۔ "باعتقاد فقیر بجائے "سچ" حرف "حق" اولیٰ است"۔ اس اصلاح پر کون اعتراض کرے گا۔ دار اور حق کے تعلق نے شعر میں اور ہی لطف پیدا کر دیا۔ میر حسن نے بھی اپنے تذکرے میں میر کا اصلاح شدہ شعر نقل کیا ہے ؎

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہیگی دار کی صورت

(تذکرہ میر حسن)

گردیزی نے اپنے تذکرے میں اصل شکل ہی میں لکھا ہے۔

4 یکرنگ ہی کا مقطع ہے ؎

اس کو مت پوچھو سجن اوروں کی طرح
مصطفیٰ خاں آشنا یکرنگ ہے

میر۔ "اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں قسم موزوں می دادم" ع

مت تلون اس میں سمجھے آپ سا

کہاں یکرنگ کا مصرع کہ غیروں کی غیبت اور شکایت کا دفتر اور کہاں میر کا محبوب کی بے وفائی اور بے مہری کا والہانہ انداز میں شکوہ۔ اس شعر کو بھی میر حسن نے میر کی اصلاح شکل میں لکھا ہے اور خفیف تغیر کیا ہے ؎

مت تلون اس میں سمجھو آپ سا
مصطفیٰ خاں آشنا یکرنگ ہے

5 محمد شاکر ناجی کا شعر ہے ؎

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

میر لکھتے ہیں۔ "بر شما پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع ایں چنیں می بایست" ع

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی

ناجی "ہم صحبت" کے دست نگر ہونے سے منع کرتے ہیں۔ اور میر "اپنے خورد" کا منہ تکنے کے خلاف ہیں ان دونوں بیانوں کے لئے جو مثال آئی ہے وہ صدف اور گوہر کی ہے اور لفظ "آب" سے ایہام کا لطف پیدا کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ صدف اور اس سے پیدا ہونے والے گوہر کے درمیان ہم صحبت ہونے سے زیادہ خوردی بزرگی کا رشتہ مناسب ہے۔ میر حسن نے اپنے تذکرے میں اس شعر کو اس طرح لکھا ہے ؎

رکھیو مت چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

6 چھٹی اصلاح میر سجاد کے شعر پر ملتی ہے۔ سجاد کا

شعر ہے ؎

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مرجا ستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا

میر لکھتے ہیں ۔" اگرچہ باطل باطل است لیکن بجائے "کافر" کہ اول پیش مصرع واقع است ۔ با عتقاد فقیر لفظ "باطل" حق است ۔" باطل اور حق کی رعایت لفظی اپنی جگہ خوبصورت ضرور ہے مگر شعر میں "باطل بتوں" کے مقابلے میں "کافر بتوں" زیادہ مناسب اور خوبصورت ہے قائم نے مخزن نکات میں اول مصرع برقرار رکھا ہے مگر دوسرے مصرع کو زیادہ ہموار اور موزوں کردیا ہے ۔ اگرچہ گردیزی نے اصل شکل میں شعر کو رہنے دیا ہے ۔ مخزن نکات میں شعر یوں ہے ؎

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مرجائے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا

سجاد کا شعر ہے ؎

کس طرح کوہکن یہ گزریں گی
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

اس کو میر نے دوسری طرح بھی سنا ہے ۔ لکھتے ہیں :۔
" از مصنف ہمچنیں ہر دو مصرع شنیدہ شد ؎

ہجر شیریں میں کیونکے کاٹے گا
کوہکن یہ پہاڑ سی راتیں

معلوم ہوتا ہے میر کو شعر کی دوسری شکل زیادہ پسند تھی مگر سجاد نے پہلی شکل ہی کو پسند کیا اس لئے کہ مخزن نکات، تذکرہ میر حسن اور تذکرہ گردیزی تینوں میں شعر پہلی شکل میں ملتا ہے ۔

میر سجاد ہی کا شعر ہے ؎

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

میر لکھتے ہیں :" ہر چند در مثل تصرف جائز نیست ، زیرا کہ مثل ایں چنیں است کہ "کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو" لیکن چوں شاعر را قادر سخن یافتم ، معاف داشتم " معلوم ہوتا ہے کہ میر کچھ رعایت کرگئے ۔ ایک بھونڈے لفظ کو محاورہ میں رائج لفظ کی جگہ استعمال کرنا قادر سخنی نہیں جبکہ خود میر نے لکھا ہے کہ مثل میں تصرف جائز نہیں ۔ قائم نے اپنے تذکرے " مخزن نکات " میں اس شعر کو دوسری طرح لکھا ہے جو زیادہ اچھا ہے ؎

میرا جلا ہوا دل نئیں اس مژہ کے لائق
اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو

شاعر قادر سخن میر سجاد پر میر کی نظر عنایت کافی معلوم ہوتی ہے ۔ چنانچہ آٹھویں اصلاح بھی انہی کے شعر پر ہے ۔ سجاد کا مقطع ہے ؎

بے تکلف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے سجاد
دختر زر بھی عجب طرح کی مستانی ہے

میر لکھتے ہیں :" اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں قسم می گفتم"
ع ۔ بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد
سر چڑھنے سے دختر زر کی بے تکلفی ثابت کرنا بہت خوب ہے ۔ ایہام سے شعر میں خوبصورتی پیدا کرنے کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ۔ سجاد کے مصرعے میں وہ روانی بھی نہیں جو میر کے مصرعے میں پائی جاتی ہے ۔

پتہ نہیں میر شاہ حاتم سے کیوں خفا تھے کہ نکات الشعرا میں اس قدر برا بھلا ان کو کہا اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ حاتم کے شعر پر ایسی اصلاح کی جو اتنی مشہور ہوئی کہ گردیزی

نے اپنے تذکرے میں اس اصلاح شدہ شعر کو حاتم سے منسوب کر دیا۔ اس اصلاح سے میر کی استادی پر تو دھبہ (؟) مگر ان کی ذہنی کج روی پر کافی تیز روشنی پڑتی ہے اور اس کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلاح تفریحاً نہیں اتفاقاً بلکہ بدنیتی کے ساتھ کی گئی ہے اور میر کو اپنی اس بذلہ سنجی پر کافی ناز بھی ہے۔ اصلاح زیر بحث یہ ہے ؎

حاتم۔ ہائے بیدرد سے ملا کیوں تھا
آگے آیا میرے کیا میرا

میر۔ "اگر شعر من می بود ایں چنیں میگفتم ؎

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں
آگے آیا میرے کیا میرا

پیش گرمی ایں مصرع و خنکی آں شعر روشن است"۔
اور لطف یہ ہے کہ گردیزی نے بھی حاتم کے اس شعر کو میر کی اصلاح کے ساتھ لکھا ہے گویا حاتم نے یونہی کہا تھا۔
حاتم ہی کا دوسرا شعر ہے ؎

دیکھ طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

میر "درلفظ "سبز رویاں" تامل کردن ضرور است، زیرا کہ آشنائے گوش ایں ہیچمداں نیست"۔ میر کا یہ اعتراض درست اور مناسب ہے مگر ان کا اپنے لئے "ہیچمداں" کہنا غضب کا معنی خیز ہے۔
گیارھویں اصلاح انعام اللہ یقین کے شعر پہ ملتی ہے ؎

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھکو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

میر اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اگر بجائے "خوش نصیبی" "خوش معاشی" می گفت ایں شعر بسیار بامزہ باشد"۔
خواجہ احمد فاروقی نے لکھا ہے "میر کی مہارت شعری کا راز ان کی سلیقہ شعاری میں مضمر ہے۔ میر اس سلیقے کو زندگی میں بھی اہمیت دیتے تھے اور شاعری میں بھی"۔ یہ وہی سلیقہ شعاری ہے جو ان کی اس اصلاح میں کارفرما ہے۔ اس کی خوبی پر کون شک کرے گا۔ میر کا شعر یاد آ گیا ؎

میرے سلیقے سے میری کٹی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

یقین ہی کا دوسرا شعر ہے ؎

مجھے یہ بات خوش آئے ہے اک مجنون عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

میر "فقیر نیز یک شعر دارد قریب بہ ہمیں معنی و با عتقاد خود بمراتب ازیں شعر بہتر میداند" ؎

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریباں ہی سے ہاتھ اُٹھایا ہم نے

میر کے اس دعوے پر شک کرنا ہمالہ سے بڑی غلطی ہوگی لیکن یقین کا شعر بھی اپنی جگہ بہت خوب ہے۔ بہت دلچسپ بات یہ ہے کہ قائم نے اس شعر کو دوسری طرح اور میر حسن نے تیسری طرح لکھا ہے اور یہ سب تبدیلیاں پہلے مصرع میں کی گئی ہیں ؎

مجھے یہ بات ہے گی یاد اک مجنون عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

(قائم۔ مخزن نکات)

خوش آئی ہے مجھے یہ بات تک مجنوں عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

(میر حسن)

فضلی دکن کے شاعر تھے۔ ان کا شعر ہے ؎

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کوں درپن اجھو درسن نہ پائے ہوں

میر لکھتے ہیں۔ ”ربط بین المصرعین ایں شعر سبحان اللہ عجب ربط حیپانی است کہ مطلق معلوم نمی شود کہ چہ میگوید وچہ ارادہ کردہ است“۔ اس اعتراض پر کیا کہا جاسکتا ہے خود شعر ہی ایسا ہے کہ جو کچھ کہا جائے کم ہے۔

محمد یار خاکسار عرف کلّو کا مقطع ہے ؎

خاکسار اس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجھکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

میر۔ ”بر متتبع این فن پوشیدہ نیست کہ ”بیمار کیا“ ”گرفتار کیا“ می بایست“۔ اس اصلاح کے ساتھ انصاف تو بقول میر کوئی شاعر ہی کرسکتا ہے۔ لیکن اس حقیر کی رائے میں تو کوئی خاص فرق اس اصلاح کے بعد شعر میں پیدا نہیں ہوتا۔ کاش میر اپنے مفہوم کو زیادہ واضح کردیتے۔ یہ شعر مخزن نکات اور تذکرہ میر حسن میں اصل شکل ہی میں ملتا ہے مگر گردیزی نے اس شعر کو یوں لکھا ہے اور بالکل غیر موزوں لکھا ہے ؎

خاکسار اس کی انکھیاں کے کہے مت لگیو تو
مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

آخری اصلاح لالہ ٹیک چند بہار کے شعر پر ہے۔ شعر ہے ؎

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس
یہ عجب منظر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

میر کا کہنا ہے ”باعتقاد بندہ بجائے اشارت قرینہ و کلمۂ استعجاب کہ اول مصرعہ دوئم بکار بردہ است اگر ”حسن کیا“ میگفت ایں شعر واضح تر می شد“۔ اس شعر کے پہلے مصرعے سے بھی حسن کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کے مبتلا زلیخا اور قیس دونوں بتلائے گئے ہیں۔ میر کی اصلاح سے یہ شعر واضح اور صاف ہوگیا۔